# دورۂ جاپان و چین

## مشاہدات و امکانات

قاضی حسین احمد

امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد اوائل مارچ میں جاپان اور چین کے ۱۵ روزہ دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ اس حوالے سے ہم نے ان سے کچھ سوالات کیے جن کے جواب انھوں نے مرحمت فرمائے۔ اس انٹرویو میں تعاون کے لیے ہم انور نیازی صاحب کے ممنون ہیں۔ (مدیر)

**سوال:** چین اور جاپان کے معاشروں میں آپ نے وہ کون سے پہلو دیکھے ہیں جن کی بنیاد پر وہاں اسلام کے فروغ کے امکانات کو وسیع کیا جا سکتا ہے؟

**جواب:** چین اور جاپان کے حالات اور معاشرے الگ الگ ہیں اور دونوں کا ایک جواب دینے کے بجائے' ان کے بارے میں الگ الگ بات مناسب ہو گی۔ چین میں مجھے کوئی زیادہ وقت نہیں ملا' میں نے وہاں صرف تین دن گزارے ہیں اور اس دوران صرف سرکاری ملاقاتیں کیں۔ عوام کے اندر گھومنے پھرنے کا موقع نہیں ملا۔ چین ایک ارب ۲۵ کروڑ کی آبادی کا ملک ہے۔ اس کی ایک سرحد پاکستان اور افغانستان اور دوسری بحرالکاہل اور مشرق بعید کے ممالک کے ساتھ ملتی ہے۔ اتنی بڑی اور وسیع آبادی کے بارے میں صرف تین دن کی سرکاری اور رسمی ملاقاتوں کے بعد کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔ اس کے مقابلے میں جاپان رقبے کے لحاظ سے چھوٹا' ۱۰ کروڑ کی گنجان آبادی کا ملک ہے۔ یہاں مجھے زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ ۱۲ دن کے دورے میں ہر طبقے کے لوگوں کے ساتھ رابطہ ہوا اور بے تکلفی کی فضا میں زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ان سے تبادلہ خیال ہوا۔ وہاں پر رہنے والے ان پاکستانیوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جو سالہا سال سے وہاں رہایش پذیر ہیں۔ جاپان کے بارے میں نسبتاً زیادہ معلومات کی بنیاد پر بہتر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چین کے حالات کے بارے میں بھی وہاں کئی سال سے رہنے والے پاکستانی احباب کی معلومات کی روشنی میں اظہار خیال کی کوشش کروں گا۔

اس دورے کے بارے میں یہ بتانا مناسب ہو گا کہ جاپان کا دورہ میں نے جاپانی وزارت خارجہ کی دعوت پر کیا۔ اس کا اہتمام اسلام آباد میں جاپانی سفارت خانے نے کیا تھا۔ ان دوروں میں جماعت اسلامی کے امور خارجہ کے ذمہ دار عبدالغفار عزیز جو میرے معاون خصوصی ہیں، میرے ساتھ تھے۔

جاپانی معاشرے کا جو خاص پہلو مجھے نظر آیا وہ یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر لادین معاشرہ ہے۔ اس کا کوئی خاص مذہب نہیں ہے۔ اس میں کچھ روایات تو موجود ہیں جنھیں مذہبی اور کلچرل روایات کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن باقاعدہ کسی مذہب کے ساتھ وہاں کے لوگوں کی گہری وابستگی نہیں ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بادشاہ کو تقریباً معبود کا درجہ حاصل تھا لیکن جنگ میں شکست سے جاپانی قوم شدید صدمے سے دوچار ہوئی اور ان کا اپنے بادشاہ کے بارے میں اعتماد متزلزل ہو گیا۔ بادشاہ نے بھی علامتی بادشاہ بننے کا راستہ اختیار کیا اور جاپان ایک مکمل جمہوری ملک بن گیا۔ اس سے قبل بھی پارلیمنٹ موجود تھی۔ ۱۸۹۰ء میں جاپان میں ایک آئینی بادشاہت تھی۔ ایک اصلاحی تحریک میجی کے نتیجے میں جاپانی معاشرے اور سیاست میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ہی جاپان نے تعلیم اور ٹکنالوجی میں ترقی کرنا شروع کر دی تھی۔ یہاں کے دو بڑے مذاہب ہیں۔ ایک بدھ مت اور وہ بھی بدھ مت کا جاپانی ایڈیشن۔ دوسرا شنٹوازم (روایتی مذہب)۔ عیسائی مذہب بھی وہاں کے مذاہب میں شمار ہوتا ہے اگرچہ عیسائیت کے ماننے والوں کی تعداد ایک فی صد ہے۔ کیتھولک چرچ کی کوششوں سے عیسائیت کے بارے میں عام جاپانیوں کو کچھ معلومات حاصل ہیں لیکن بائبل کے قصے کہانیاں تمام جاپانی بچوں کو معلوم ہیں۔

شنٹوازم اور بدھ مت کے ساتھ لوگوں کی وابستگی برائے نام ہے۔ ان کے بڑے بڑے معبد موجود ہیں لیکن ان کے اندر جا کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبادت خانے کی بجائے میوزیم ہیں اور لوگ سیر کی غرض سے وہاں آتے ہیں۔ ان کے روایتی مذاہب میں ایک اللہ اور خالق کا تصور موجود نہیں ہے، لیکن عموماً یہ اپنے آبا و اجداد کی ارواح کے ساتھ رابطہ رکھنے، ان کی خاطر نذریں ماننے اور ان سے مدد اور برکت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی خوشی اور فلاح کی خاطر بہت سی رسومات سرانجام دیتے ہیں۔ لوگوں میں روحانی اور مذہبی طور پر ایک گہرا خلا موجود ہے جسے پر کرنے کے لیے عیسائی رومن کیتھولک چرچ سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں لیکن بڑے پیمانے پر کوئی پذیرائی نظر نہیں آتی۔ جاپانی فطرتاً ملنسار اور نرم خو ہیں۔ ان کی خواتین کو روایتی طور پر خدمت اور ادب کا درس دیا گیا ہے۔ مغربی اثرات کے باوجود جاپانی عورتیں اپنی اس روایت سے مکمل طور پر باہر نہیں نکل سکی ہیں۔ ہر بڑے ادارے میں استقبالیے میں دو عورتیں عموماً موجود رہتی ہیں جو آنے والوں کے استقبال میں تقریباً رکوع کی سطح تک جھکتی ہیں اور مسکرا کر استقبال کرتی ہیں۔ خواہ آپ کہیں جائیں، کسی دکان یا دفتر میں جائیں، کسی گاڑی میں بیٹھیں، کسی سے آمنا سامنا ہو، ہر جگہ عام جاپانی بھی استقبالیہ کلمات کہتے ہیں اور جھک کر ملتے ہیں۔ انکسار اور ملائمت ان کی گھٹی

میں پڑا ہے۔ بلند آواز سے بات نہیں کرتے۔ دوسرے کی بات غور سے سنتے ہیں۔ ان کے اس نرم اور ملائم رویے، انکسار اور تہذیب و ثقافت کی وجہ سے وہاں رہنے والے پاکستانیوں کا خیال ہے کہ جاپانیوں کی حقیقی رائے کے بارے لوگوں کو کم ہی پتا چلتا ہے۔

دین اور مذہب انسان کی فطری ضرورت ہے۔ کسی مافوق الفطرت ہستی کے سامنے جھکنا انسانی طبیعت میں شامل ہے۔ جاپان کے لوگوں کی پرانی مذہبی روایات جدید علوم اور ٹکنالوجی کی پیش رفت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں اس لیے وہ اپنے اندر ایک روحانی پیاس محسوس کرتے ہیں۔ اسلام جو دین فطرت ہے جاپان میں اس کی اشاعت کے بہت امکانات موجود ہیں، لیکن بدقسمتی سے اس سلسلے میں کوئی بڑی کوشش اب تک نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کی حکومتیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو مسلمانوں کو بھی اپنے مذہب سے دور کرنے کی فکر میں ہیں، چہ جائیکہ نئی آبادیوں تک اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے امت کے وسائل کے استعمال پر سوچیں۔ مذہبی اور دینی تنظیموں کی تبلیغی کوششیں زیادہ تر مسلمانوں کی اپنی آبادی تک ہی محدود ہیں اور ان کے پاس عام معاشرے تک دعوت پہنچانے کے لیے وسائل موجود نہیں۔ جاپان میں جو تھوڑے بہت مسلمان موجود ہیں، وہ لیبر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بڑی تعداد میں غیر قانونی طور پر وہاں رہ رہے ہیں جنھیں ہر وقت پولیس کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ پاکستان کی لیبر کلاس میں بڑی تعداد دین سے وابستہ ہے لیکن غیر قانونی ہونے کی وجہ سے اطمینان کے ساتھ دین کا کام کرنے کا موقع انھیں میسر نہیں ہے۔ جو لوگ خود غیر قانونی طور پر رہتے ہوں، وہ وہاں کی آبادی کو کیا متاثر کر سکتے ہیں۔

اس کے باوجود باہر کے مسلمانوں، خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں نے ہر بڑے شہر میں کچھ مساجد قائم کی ہیں جن کو انھوں نے اپنی تبلیغی کوششوں کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ نومسلم محدود تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر جاپانی عورتیں ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ شادیاں کی ہیں۔ جاپانیوں سے ملاقات سے ہم نے محسوس کیا ہے کہ وہ اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ان میں اسلامی تعلیمات کے لیے پذیرائی موجود ہے۔ لیکن جاپانی زبان میں اسلامی کتب محدود تعداد میں ہیں۔ کوئی بھی کتاب ایسی نہیں ہے جو جاپان کے معیار پر بڑی تعداد میں شائع ہوئی ہو۔ جاپان کا ایک روزنامہ ایک کروڑ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ کتابوں کو خریدنا اور پڑھنا عام جاپانی کا مشغلہ ہے۔ اس لیے وہاں پر ہر شہر میں کتابوں کی کئی کئی منزلہ بڑی بڑی دکانیں ملتی ہیں، لیکن ان میں اسلام کے بارے میں کوئی کتاب بہ مشکل ملے گی۔

ٹوکیو میں ایک اسلامک سنٹر قائم ہے لیکن اس کی آواز بہت نحیف ہے۔ جاپانی معاشرے میں مادی ترقی کے اس دور میں لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت موثر اور مضبوط آواز کی ضرورت ہے۔ اسلام کی ضرورت بھی موجود ہے اور جاپانی معاشرت تقاضا بھی کرتی ہے۔ ترقی کے باوجود وہاں کی عام

اور گھریلو زندگی میں نفسا نفسی پائی جاتی ہے۔ ان حالات میں اسلام ان کی ضرورت ہے' لیکن اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کسی بلند آہنگ آواز اور کوشش کی ضرورت ہے۔ اس وقت جاپانی معاشرہ مغربی میڈیا کے زیراثر ہے اور امریکہ سے مرعوب ہے۔ مغربی میڈیا کا یہ پروپیگنڈا کہ مسلمان دہشت گرد اور انتہاپسند ہیں' جاپان میں بھی عام ہے۔ اس تصور کے توڑ کے لیے اسلام کی حقیقی تعلیمات سے لوگوں کی آشنائی ضروری ہے۔ اسلام آباد میں جاپان کے سابق سفیر جنھوں نے میرے اس دورے کا اہتمام کیا تھا' اس ضرورت کا احساس کر رہے تھے۔ ان کے دل میں اسلام کے لیے نرم گوشہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جاپانی اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ اسی طرح کے کچھ جاپانی دوست جاپان میں بھی موجود ہیں۔ انھیں قریب لا کر اس کام کا منصوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ جاپان کی کوئی بڑی شخصیت کسی بڑے اشاعتی ادارے کے ذریعے سے اسلام کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کرنے کے لیے تیار ہو جائے تو عام جاپانی کو اسلام کے بارے میں درست معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔

س: مغربی تہذیب کا مسلم معاشروں (بشمول پاک و ہند) اور ان مشرقی معاشروں نے جس طرح سے مقابلہ کیا' اس میں کیا فرق ہے؟

ج: مشرق کا مسلم معاشرہ اپنی پسماندگی کے باوجود اور اسلام کے بنیادی عقائد سے قدرے انحراف کے باوجود بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ قرآن و سنت کی صورت میں مسلمانوں کے پاس حق و باطل میں تمیز کرنے کا ایک معیار (فرقان) موجود ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید کا نام دیا ہے یعنی حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والی کسوٹی۔ حضورؐ کی پاکیزہ سیرت اپنی پوری تفصیل اور آب و تاب کے ساتھ اسلامی معاشرے میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ قرآن کے ساتھ اور نبی اکرمؐ کے ساتھ محبت ہر مسلمان کا قیمتی سرمایہ ہے۔ چاہے کوئی کتنا ہی گنہگار مسلمان کیوں نہ ہو' وہ قرآن اور حضورؐ کے معیارحق ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مغربی تہذیب اسلامی معاشروں کی بنیادوں کو ہلانے میں کامیاب نہیں ہو سکی اور بہ ظاہر مغربی تہذیب کے فروغ کے باوجود مسلمان اپنی بنیاد پر قائم ہیں۔ جب بھی مسلمانوں کو موقع ملتا ہے' اپنی اس تہذیبی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جاپان اور چین دونوں کے معاشروں نے مغربی اقدار کو قبول کر لیا ہے۔ وہاں اس طرح کا کوئی معیار حق و باطل موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ان میں اور مغربی معاشروں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں بھی عیسائیت اس میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے کہ وہ مادی تہذیب کا مقابلہ کر سکے۔ مغربی معاشرہ عیسائی اخلاقیات کی بجائے جاہلی مادی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کی اخلاقی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ یہی صورت چین اور جاپان کے معاشرے کی بھی ہے۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ' معیار زندگی میں بہتری اور ٹکنالوجیکل طاقت کا حصول ہے۔

تہذیبی طور پر جاپان، چین اور مغربی ممالک میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ البتہ چونکہ نسل اور زبان میں نمایاں فرق ہے اور روایات اور تاریخ کے لحاظ سے بھی مختلف ہیں، اس لیے جاپان اور چین کا الگ الگ تشخص ہے۔ جاپان اور چین میں آپس میں گہری مغائرت ہے اور ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھنے کی وجہ سے ان میں باہمی اعتماد کی فضا نہیں ہے۔ مغربی ممالک خاص طور پر امریکہ کی کوشش ہے کہ جاپان اور چین ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکیں۔ جاپان پر امریکی تہذیب کا زیادہ اثر ہے۔ جاپان میں رہنے والے پاکستانیوں کا خیال ہے کہ ان کی نئی نسل امریکی تہذیب سے مرعوبیت کی حد تک متاثر ہے، جب کہ چین اگلے ۱۰ برس میں امریکہ کے مقابلے کی طاقت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چین اپنے رقبے، وسائل اور صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے بڑا ملک ہے اور اسی وجہ سے اس کے اندر ایک اعتماد بھی موجود ہے۔

س: ان معاشروں میں عورت کا کیا کردار ہے اور وہ کن مسائل سے دوچار ہے؟

ج: جاپانی معاشرے میں عورت روایتی طور پر مرد کی خدمت کے لیے اور اس کو خوش رکھنے کے لیے ہے۔ مغربی معاشرے میں بھی بہ ظاہر عورت کی مرد سے برابری اور اختیارات میں شریک کرنے کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود عورت دل بہلانے کی چیز ہے۔ عورت کو جاپان میں، اور مغربی معاشرے میں بھی، گھر کی خدمت کے ساتھ ساتھ کام پر بھی لگایا گیا ہے۔ اس کو اپنی روزی خود کمانی پڑتی ہے۔ شادی کو ایک تکلف ہی بنا دیا گیا ہے اور اس سے جان چھڑانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جاپان میں مغربی تہذیب کے اثرات کے تحت اگرچہ بہ ظاہر عورت کی آزادی کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں عورت نہ آزاد ہے، نہ اس کو حقوق حاصل ہیں اور نہ ہی اس کے اندر اعتماد ہے۔ عورت کا احترام بھی موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اگر کسی جاپانی عورت کو کسی مسلمان سے شادی کرنے کا موقع مل جائے تو وہ اسلام بھی قبول کر لیتی ہے اور مسلمان خاوند کے ساتھ خوش بھی رہتی ہے۔ بہت سارے پاکستانی نوجوانوں نے جاپانی خواتین سے شادیاں کی ہیں اور وہ بہت اچھی اور خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔

س: چین میں اشتراکی تجربہ آپ نے کس حال میں پایا؟

ج: چین کا معاشرہ مرکزی طور پر منضبط معاشرہ ہے، لیکن خود چینی قیادت کے کہنے کے مطابق جب انھیں ۱۹۴۹ء میں آزادی ملی تو اقتصادی میدان میں انھوں نے روسی تجربے کو اپنایا جس کے نتیجے میں وہ تیزی کے ساتھ ترقی نہ کر سکے۔ اگرچہ انھیں کچھ فوائد حاصل ہوئے لیکن جب سے انھوں نے مارکیٹ اکانومی اپنائی ہے ان کی مجموعی قومی پیداوار میں سات فی صد سے لے کر ۱۳ فی صد تک سالانہ ترقی ہو رہی ہے جو دنیا میں بلند ترین شرح اضافہ ہے۔ چینی معیشت بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے اور وہ دنیا کی بہت بڑی معیشت بننے کی طرف رواں دواں ہے۔ اس وقت ہانگ کانگ کو ساتھ ملانے کے بعد ایک ملک اور دو نظام کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اشتراکی نظام کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ جہاں

تک لوگوں کی تنظیم اور آبادی کو کنٹرول میں رکھنے کا تعلق ہے تو انھوں نے ابھی تک اس طرح کی پابندیاں برقرار رکھی ہیں کہ معاشرے پر ان کی گرفت ڈھیلی نہ پڑ جائے۔ چین میں رہنے والے ایک پاکستانی نوجوان کے کہنے کے مطابق چین کی بنیادی فکرمندی ان کی اقتصادی ترقی اور مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ ہے اور ان کا اشتراکی نظریے کے ساتھ برائے نام تعلق ہے۔ البتہ اپنے ملک کی ریاستی خودمختاری اور سالمیت کے بارے میں چینی بہت حساس ہیں اور وہ سنکیانگ، تبت اور تائیوان کو چین کا اٹوٹ انگ سمجھتے ہیں۔

س : اکیسویں صدی میں امریکہ کے گلوبل امپریل ازم کے خلاف چین و جاپان اور مسلم ممالک میں مفاہمت کے کیا امکانات ہیں اور اس کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جا سکتا ہے؟

ج : جاپان میں میری یہ کوشش رہی کہ میں جاپانیوں کے ذہن میں یہ بات ڈال سکوں کہ امریکہ کی یہ کوشش ہو گی کہ جاپان کو بھارت کا ٹکنالوجیکل اور مالیاتی پشتی بان بنا دے اور اس طرح دونوں کو ملا کر چین کے مقابلے میں کھڑا کر دے۔ اسی لیے وہ پاکستان کو بھی دباؤ میں لاکر بھارت کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ ایشیائی کو ایشیائی کے مقابلے میں کھڑا کر کے گلوبل امپریل ازم قائم کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کے ہاتھوں استعمال ہونے کے بجائے اگر جاپان اور چین کے درمیان قریبی تعلقات قائم ہو جائیں اور یہ دونوں ممالک مسلم ممالک کے ساتھ بھی گہرا قریبی تعلق قائم کر لیں تو دنیا کو عدل و انصاف پر مبنی ایک صورت حال مل سکتی ہے جس کے ذریعے سے انسانی آبادی کسی نئے امپریل ازم سے بچ سکتی ہے۔ چین اور جاپان کے درمیان باہمی اعتماد کی کمی اس میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جاپان کو امریکہ نے مکمل طور پر اپنا تابع بنایا ہوا ہے۔ اس کو ایٹمی چھتری فراہم کی ہے اور اس کو چین اور شمالی کوریا کے ایٹمی اور روس کے فوجی تسلط سے بچانے کی ضمانت فراہم کر رکھی ہے۔ اس کے بدلے میں امریکہ نے جاپان کی خارجہ پالیسی کو مکمل طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔

جاپان میں لوگوں نے میرے ساتھ ہر ملاقات میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ اس بات سے وہ انکار نہیں کرتے کہ جنگ عظیم دوم میں جاپان کے پاس نیوکلیئر طاقت ہوتی تو امریکہ اس پر ایٹم بم نہ گراتا۔ انھیں اچھی طرح اس بات کا احساس ہے کہ جاپان کو جرم ضعیفی کی سزا دی گئی ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ آج تک جاپانی نہیں سمجھ سکے کہ انھیں کیوں وحشیانہ حملے کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ جو وجوہات بیان کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ امریکہ کو یہ خدشہ تھا کہ اس نے جلد جاپان پر قبضہ نہ کیا تو روس جاپان پر قبضے کے لیے پیش قدمی کر سکتا ہے۔ اس حملے کا ایک مقصد یہ تھا کہ مستقبل کے دشمن روس کو بتا دیں کہ ان کے پاس یہ وحشیانہ ہتھیار موجود ہیں۔ جاپانی بہ ظاہر ایٹم بم سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ اگر وہ فیصلہ کر لیں تو ایک ہفتے کے اندر اندر ایٹم بم بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے پوری تیاری کر

رکھی ہے۔ وہاں ایسی سیاسی لابی بھی موجود ہے جس کا خیال ہے کہ وہ چین، امریکہ، روس اور شمالی کوریا کی بڑی ایٹمی طاقتوں کے اندر گھرے ہوئے ہیں اور ایک بہت بڑی مالیاتی اور ٹکنالوجیکل طاقت ہونے کی وجہ سے وہ ان عالمی قوتوں کے حسد کا بھی نشانہ بنے ہوئے ہیں، اس لیے ان کو کسی وقت اپنے دستور میں ترمیم کر کے اپنی دفاعی ضروریات کے مطابق بجٹ میں اضافہ کرنے اور ایٹمی طاقت بننے کا اعلان کرنا پڑے گا۔

جاپان کے ساتھ مسلسل رابطہ قائم کر کے ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہے کہ امریکی پلان کے زیر اثر چین کے مقابلے میں محاذ آرائی کی بجائے ان کے لیے زیادہ بہتر، مثبت اور باوقار عالمی رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک آزادانہ پالیسی اختیار کر کے پاکستان، وسط ایشیا اور دوسرے ممالک کی ٹکنالوجیکل ترقی کا ذریعہ بنے اور اس طرح عالمی طاقتوں کے درمیان توازن پیدا کرنے کا موثر کردار ادا کرے۔ یہ مستقبل کی عالمی سیاسی صورت گری کرنے والوں کے لیے ایک اہم موضوع ہے جس پر پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک کے دانش وروں کو کام کرنا چاہیے۔

س: ان معاشروں کی وہ اچھی باتیں کیا ہیں جو ہم قومی اور تحریکی سطح پر اختیار کر سکتے ہیں؟

ج: جاپانی معاشرے کی سب سے اچھی خوبی اس کی قومی سوچ ہے۔ جاپانی قومی سوچ رکھتے ہیں۔ اپنی ذات کی بجائے وہ ہمیشہ قومی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ منصوبہ بندی جاپانیوں کی عادت ہے۔ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں منصوبہ بندی، قومی منصوبہ بندی کا حصہ ہوتی ہے۔ ہر جاپانی دوسرے جاپانی پر مکمل اعتماد کرتا ہے اور ان کی منصوبہ بندی اتنی تفصیلی، ٹھیک اور درست ہوتی ہے کہ اگر آپ نے ریلوے کے کسی ڈبے میں ریزرویشن کرائی ہے تو ریلوے اسٹیشن پر آپ کے کھڑے ہونے کا مقام بھی اس ریزرویشن میں لکھا ہوتا ہے اور اس مقام کی نشان دہی ریلوے اسٹیشن پر کی گئی ہوتی ہے۔ آپ نے جا کر صحیح اس جگہ پر کھڑا ہونا ہوتا ہے اور بلٹ ٹرین ۵ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہوئے اس انداز سے اسٹیشن پر آکر رکتی ہے کہ آپ کے ڈبے کا دروازہ آپ کے سامنے آکر رکے گا۔

۱۰ کروڑ کی آبادی کو مکمل طور پر تعلیم دی گئی ہے۔ ۹۹.۸ فی صد لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ نو سال کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۹۰ فی صد طلبہ ثانوی تعلیم میں داخلہ لیتے ہیں اور وہاں سے فارغ ہونے والی ۶۰ فی صد تعداد یونی ورسٹی میں داخلہ لیتی ہے۔ ساری قوم کو پوری طرح سے علم سے آراستہ کیا گیا ہے۔ تعلیم ہی ان کا بنیادی وسیلہ ہے۔ ایک جاپانی پروفیسر ہیراشیما نے جو چار سال تک لاہور میں رہے ہیں، مجھ سے کہا کہ پاکستان کے خلاف گہری سازش کی گئی ہے کہ اس کی محنتی، ذہین اور محب وطن قوم کو علم سے محروم رکھا گیا ہے۔ یہ استعماری سازش کا نتیجہ ہے اور اس میں جاگیرداروں نے استعمار کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا ہے۔ جاپان نے اسی تنظیم، علم اور ٹکنالوجی سے مسلح کرنے کے نتیجے میں پوری آبادی کو کام پر لگا رکھا ہے۔ جاپان میں کپاس نہیں ہوتی لیکن وہ کپڑے کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ہے۔ جاپان میں پٹرول باہر

سے درآمد ہوتا ہے لیکن وہ گاڑیوں کا سب سے بڑا مینوفیکچرر اور برآمد کنندہ ہے۔ جاپان میں لوہا باہر سے درآمد کرتا ہے لیکن اس کی مشینری پوری دنیا میں جاتی ہے اور وہ اس کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ہے۔ اس کا علم اور ہنر ہی اس کی طاقت کا راز ہے۔ یہی منصوبہ بندی سیکھنا ہمارا فرض ہے۔ چین بھی کم و بیش اسی راستے پر گامزن ہے۔

تحریکی سطح پر ہمیں جاپان اور چین کی اصلاحی تحریکوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ چینی لیڈروں نے ذاتی قربانی دے کر اور مثال قائم کر کے اپنی پوری قوم کو بے غرض اور بے لوث جدوجہد پر آمادہ کیا ہے۔ رضاکار اساتذہ اور ڈاکٹروں کی بڑی بڑی ٹیمیں منظم کی گئی ہیں اور لوگوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تعلیم کو مال بنانے کا ذریعہ بنانے کے بجائے خدمت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ جاپان میں اس وقت بھی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے اور نصاب اور درسی کتب پر تحقیق کے ادارے موجود ہیں جو اس میں مسلسل اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ چین اور جاپان کی تنظیم اور ترقی کا راز ان کی اصلاحی تنظیموں کا مرہون منت ہے۔ کسی بھی قوم کی تاریخ پڑھ لیں، کبھی بھی اوپر سے مسلط کی گئی قیادت ترقی و اصلاح میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکی بلکہ ہمیشہ تبدیلی اور انقلاب سے پہلے مصلحین قوم کے اندر بیداری پیدا کرتے ہیں۔ بیداری پیدا کرنے کے نتیجے میں ایک تحریک اٹھتی ہے۔ تحریک کے مخلص، بے لوث کارکنوں کے ہاتھ میں جب اختیارات آتے ہیں تو وہ پوری قوم کو ترقی اور عروج کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں دو بڑے مصلحین علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ نے قوم کو یہی درس دیا۔ پوری قوم کا فرض ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں ان مصلحین کی آرا اور کوششوں کے مطابق اپنے آپ کو منظم کریں اور عروج کے راستے پر گامزن ہوں۔

ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی رہنمائی موجود ہے اور ہم اللہ کے آخری پیغام کے حامل اور علم بردار ہیں۔ اگر ہم اس کی روشنی میں اپنا سفر طے کریں گے تو ہم نہ صرف اپنے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کما سکتے ہیں بلکہ مادی ترقی کے باوجود دنیا جس طرح عالمی سطح پر مضطرب ہے اسے بھی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی سکون کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی بھلائی کے اس راستے پر گامزن ہونے کے لیے آہنگ کو بلند کرنے اور قدم کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔

ماہنامہ ترجمان القرآن

انٹرنیٹ پر دیکھا جا سکتا ہے

www.tarjumanulquran.com

E-mail: tarjuman@pol.com.pk